رب کی معرفت اور اُس کے معاشرتی اثرات اسلامی تعلیمات کی روشنی میں

KNOWLEDGE OF WISDOM AND ACUMEN AND THEIR SOCIAL EFFECTS IN THE LIGHT OF ISLAMIC TEACHINGS (An Analytical Study)

ڈاکٹر نزہت مفتی* ڈاکٹر خدیجہ عزیز** صابرہ بیگم***

ISSN (P) 2664-0031 (E) 2664-0023
DOI: https://doi.org/10.37605/fahmiislam.v5i2.360

Received: December 13,2022
Accepted: December 22, 2022
Published: December 30,2022

Abstract

Knowledge of wisdom and understanding is the foundation of Islam and the spirit of perfect worship. Similarly, knowledge of Qur'an is rudimentary to acquire the nearness of Allah (SWT); because the purpose of the creation of the universe is to identify and recognize Allah. In the present most advanced scientific era, many Muslim communities are surrounded by 'Atheism Wave' and think that the existence of the World is a coincidence. We should contest such thinking. It is only possible when our belief and Iman are strong enough and is full of love and fear of Allah (God). And they should be thankful for His universal blessings and deserve to ask for His mercy. Only then can society be reformed when we make ourselves accountable and review our defects and doings. This is the only solution of the present time and finds a way to exit.

Allah SWT's love and fear of being answerable are desired to be taught in one's mind, heart and actions. The useful knowledge from Qur'an regarding Allah being great, generous, unselfish, and gracious can benefit us. This creates an effect of broad-mindedness, courage, and bravery in society.

In brief, submission to Allah Almighty with total dedication, love, and obedience can result in the recognition of Allah. A man contemplates all the creations of Allah and acquires the knowledge of recognizing the skills of their Maker. Society can only be reformed if it takes stock of itself; only then can it have a positive effect, and this is the thought-provoking problem of the day in Muslim communities worldwide.

Keywords: Knowledge of Wisdom, Social Effects, Fear of Allah, thought-provoking

---

* ڈیپارٹمنٹ آف اسلامیات، شہید بینظیر بھٹو وومن یونیورسٹی، پشاور۔
** اسسٹنٹ پروفیسر، ڈیپارٹمنٹ آف اسلامیات، شہید بینظیر بھٹو وومن یونیورسٹی، پشاور۔
*** ایم فل اسکالر، عبد الولی خان یونیورسٹی، مردان۔

لفظی تجزیہ:

المعرفۃ: حقیقت کو پالینا، عرف (ص) عِرَفۃَ و عرفانًا، و معرفۃ الشیئ: پہچاننا، جاننا تعرف الاسم شي: اسم نکرہ کا معرفہ ہونا، طلب کرنا یہاں تک کہ پہچان لینا، تعارف القوم: ایک دوسرے کو پہچاننا[1]

قرآن کا عربی اُردو لغت میں اس طرح معانی واضح کئے گئے ہیں۔

عَرَفَ: اس نے جتلا دیا۔ اس نے پہچان کرائی۔ تعریفٌ سے ماضی واحد مذکر غائب۔ عَرَّفَتّھُم: تو نے اُن کو پہچان لیا۔ مَعرِفتَھُم: اور عرفانً سے ماضی واح مذکر حاضر: ھم ضمیر جمع مذکر غائب۔[2]

نکتہ آغاز:

علم معرفت الٰہی کیا ہے؟ جس طرح دنیاوی علوم کے حصول کے لیے انسان کی تگ و دو لازمی شرط ہے۔ جتنی زیادہ محنت کی جائے گی اتنا ثمرہ حاصل ہو گا۔ اس طرح ذات باری تعالیٰ کا علم دین اور قرب الٰہی میں ترقی کرنے کے لیے لازم و ملزوم ہے۔ تخلیق کائنات اور انس و جن کی تخلیق کا مقصد یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی پہچان ہو۔ کیونکہ تخلیقات کے ذریعے سے ہی تخلیق کار کی ذات کا اظہار ہوتا ہے۔ جس نے تخلیق کی تعریف کی لیکن اس کے بنانے والے کے ہنر کو نہ پہچانا اُس کو جاہل ہی کہا جا سکتا ہے۔ پس علم معرفت دین اسلام کی بنیاد اور کامل عبادت کی روح ہے۔ ذاتِ باری تعالیٰ لا محدود ہے۔ عقل کے احاطے وادراک میں آ ہی نہیں سکتی۔ کیونکہ عقل محدود ہوتی ہے۔

اللہ سبحانہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے اور ہر چیز کو اس نے بامقصد اور حق کے ساتھ بنایا آج کے دور میں بھی مسلمان کے گھرانوں میں بعض ایسے ہیں جہاں دہریت کی لہر دوڑ رہی ہے اور ایسے خیالات وجود پا رہے ہیں کہ دنیا میں سب کچھ اتفاقاً آ گیا۔ ایسے خیالات کا توڑ کرنا ہم سب کی ذمہ داری ہے اور یہ تب ہی ممکن ہے کہ ہمارا اپنا عقیدہ ایمان مضبوط ہو۔ ایمان رکھنے والے کا غور و فکر اور ایمان نہ رکھنے والے کا غور و فکر مختلف ہوتا ہے۔ اخلاص اور سنجیدگی کی ضرورت ہے۔ سطحی علم کسی کام کا نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کے جلال و جمال کی حقیقت کے معاملے میں یہ ہی ذہن میں آتا ہے کہ اس کی ذات انتہائی تعریف اور شکر کے لائق ہے۔ اس کی حقیقی معرفت کا اُس کے سوا کوئی جاننے والا نہیں۔

”اس کی معرفت کی حقیقت کے معاملے میں عاجزی کا اقرار کرنا صدیقوں کی معرفت کی انتہا ہے“۔[3]

اللہ تعالیٰ کی قدرت کے آثار اسی کی عظمت کے انوار ہیں ان کا ادراک کرنا۔ عقل و دانش کا حقیقی ثمرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کو پہچاننا ہر ایک کے بس کی بات نہیں لیکن اس کی کوشش کرنا دل کی طہارت کا باعث اور عین سعادت ہے۔ مشقت اور علاج شرط ہے اور نتیجہ ابدی نیک بختی ہے۔ اور یہ کیمیائے سعادت بقول امام غزالیؒ[4] کے اللہ تعالیٰ کے خزانوں سے ہی حاصل ہوتی ہے۔ یکسوئی اور غور و فکر سے ملتی ہے ۔ مومن کی مثال کھجور کے درخت کی سی ہے۔ دانشمندوں نے اس کی تعریف اس طرح بیان کی کہ درخت کی جڑ عقائد ہیں درخت کا تنا اس کی عبادات ہیں درخت کی شاخیں معاملات اور اس کے پھل مومن کے اخلاقیات ہیں۔ ان چار چیزوں کو پہچاننا حقیقت میں اسلام کی معرفت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

”سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ۭ اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ“[5]

”جلد ہی ہم انہیں اپنی نشانیاں آفاق میں بھی اور خود اُن کی ذات میں بھی دکھائیں گے حتٰی کہ اُن کے لیے واضح ہو جائے گا کہ بے شک یہ قرآن حق ہے کیا یہ بات کافی نہیں کہ بے شک آپ کا رب ہر چیز کا شاہد ہے“

شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں: ”ہر شخص فطرةً حقیقی سعادت چاہتا ہے۔ انسان کی فطرت سلیم ہو تو وہ اس جلیل القدر مقصد کی طرف اس طرح کھینچ کر آتا ہے جس طرح مقناطیس (آہن ربا) کی کشش لوہے کو اپنی طرف کھینچتی ہے“[6]

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ”فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۭ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا۔۔۔الخ“[7]

”آپ یکسو ہو کر اپنا رخ دین کی طرف سیدھا رکھیں اللہ کی فطرت اختیار کریں جس پر اُس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے “۔

چنانچہ انسانی جسم کا ہر عضو اللہ تعالیٰ نے کسی نہ کسی اہم کام کو سر انجام دینے کے لیے تخلیق کیا ہے۔ اور ہر عضو کے ذمہ کوئی نہ کوئی کام ہے۔ قلب و باطن کا کام معرفت الٰہی کا حصول ہے۔
حضرت داتا گنج بخش علی ہجویریؒ فرماتے ہیں:

"پس دل کے حصے میں حق تعالیٰ کا قرب آیا اور عقل کے حصے میں خدمت اور اطاعت باقی رہی معرفت تو، وہ تو خود معرفت ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے بندے کو اپنی تعریف سے شناسا کیا کہ اس کو اسی کے ذریعے پہچانے"۔[8]

انسان کا ایک ظاہری ڈھانچہ ہوتا ہے جسے بدن کہتے ہیں۔ دوسرا باطنی حقیقت جسے نفس، دل اور جان کہتے ہیں اور جسے ہم صرف باطن کی آنکھ سے پہچان سکتے ہیں۔ اس کے لیے سعی و کوشش شرط ہے۔ دل کی حقیقت روح ہے ورنہ تو بدن کی مثال مردے کی سی ہے۔

؎ دل بینا کر خدا سے طلب آنکھ کا نور دل کا نور نہیں۔[9]

دل کیا ہے؟ اس کی خاص صفت کیا ہے؟ اس کی تشریح رسول اللہ ﷺ نے نہیں فرمائی: فرمان الٰہی ہے۔
"وَیَسۡـَٔلُوۡنَکَ عَنِ الرُّوۡحِ قُلِ الرُّوۡحُ مِنۡ اَمۡرِ رَبِّیۡ وَمَاۤ اُوۡتِیۡتُمۡ مِّنَ الۡعِلۡمِ اِلَّا قَلِیۡلًا"[10]

"اور وہ آپ سے روح کے متعلق سوال کرتے ہیں کہیں روح میرے رب کے حکم سے ہے اور تمھیں تو بہت ہی تھوڑا علم دیا گیا ہے "۔

نیز فرمایا:"اَ لَا لَہُ الْخَلْقُ وَالْاَمْر"[11]، "آگاہ رہو، پیدا کرنا اور حکم صادر کرنا اُسی کے لیے روا ہے "۔

"قلب" اور "اصلاح قلب" کی اہمیت:

آپ ﷺ نے فرمایا:
"اَلَا وَإِنَّ فِي الجَسَدِ مُضْغَۃً: إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الجَسَدُ كُلُّهُ، وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الجَسَدُ كُلُّهُ، أَلَا وَهِيَ القَلْبُ"[12]

"آگاہ ہو جاؤ کہ جسم میں گوشت کا لوتھڑا ہے جب وہ درست ہوتا ہے۔ پورے کا پورا جسم درست ہوتا ہے"۔اور جب اس میں کوئی خرابی (یا برائی) ہو تا پورا جسم بُرا ہو جاتا ہے۔
"آگاہ ہو کہ وہ دل ہے"

ہمارے جسم کے سر کے لیے آرام کا وقت ہوتا ہے مگر دل ہمارے جسم کا ایسا عضو ہے جو بغیر آرام و چین ایک بھی حالت میں رہتا ہے۔"جب یہ یکسو ہو کر روح کی طرف رُخ کرے تو روح کی تجلیات امر ربی کی ربانی تجلیات پورے وجود میں سرایت کر جاتی ہیں۔اس کیفیت کا نام نفس مطمئنہ ہے۔ اس کے بارے میں قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے۔

"یٰاَیَّتُهَا النَّفۡسُ الۡمُطۡمَئِنَّةُ O ارۡجِعِیۡۤ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَةً مَّرۡضِیَّةً Oفَادۡخُلِیۡ فِیۡ عِبٰدِیۡOوَادۡخُلِیۡ جَنَّتِیۡ O "[13]

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"وَمَاۤ اُبَرِّیُٔ نَفۡسِیۡ اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوۡٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیۡ اِنَّ رَبِّیۡ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ"[14]

"اس کے علاوہ کچھ لوگوں کا قلب ڈانوا ڈول رہتا ہے۔اس کو نفس لوامہ کہتے ہیں۔یعنی کوئی اچھا کام کیا تو اندر سے شاباش ملتی ہے۔اور اگر بُرا کام کیا تو روح ملامت کرتی ہے۔"

اس کیفیت کو سورہ توبہ میں یوں بیان کیا گیا: "**وَاٰخَرُوۡنَ اعۡتَرَفُوۡابِذُنُوۡبِهِمۡ خَلَطُوۡا عَمَلًا صَالِحًا وَّ اٰخَرَ سَیِّئًا**ؕ۔۔۔الخ"[15]

"کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں)جو خلط ملط کر لیتے ہیں اچھے کاموں کے ساتھ دوسرے برے کام بھی"

تاہم یہ بات سامنے آئی کہ جس روح کو ہم دل کہتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کا محل ہے۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں: "دل کو جمال الٰہی کے نظارے اور دید کے لیے پیدا کیا گیا ہے جب دل اس نظارے وہ دید میں مشغول ہو،تو بندہ بار گاہ ربوبیت کا خادم بنا اور یہ معنی ہیں اللہ تعالیٰ کے اس قول کے جس کے الفاظ ہیں"۔[16]

"وَمَا خَلَقۡتُ الۡجِنَّ وَالۡاِنۡسَ اِلَّا لِیَعۡبُدُوۡنَ "[17]

"اور میں نے جن اور انسان اسی لیے پیدا کیے ہیں کہ وہ میری عبادت کرے"

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

"کَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ "[18]

"ہرگز بلکہ ان کے دلوں میں ان کے برے اعمال سے زنگ لگا دیا ہے"

کَلَّا بَلْ رَانَ الخ یعنی حقائق صحیح کا انعکاس آئینہ دل پر نہیں ہوتا۔ حقیقت افروز آیتیں بھی اُن کو اساطیر الاولین میں نظر آتی ہیں۔ گویا دل ایک روشن آئینہ ہے اور بُرے اخلاق دھواں اور تاریکی ہیں۔ اور نیک اخلاق روشنی اور نور کی مانند ہیں جو آئینہ قلب کو اُجلا کر دیتے ہیں۔ قلب سلیم کو بھی نجات نصیب ہو گی۔ اگر حفاظت نہ کی جائے گی تو اس کو زنگ لگ جائے گا۔[19]

حدیث مبارک بھی ہے کہ :

"بندہ جب کوئی گناہ کرتا ہے تو ایک سیاہ نقطہ اس کے دل پر لگ جاتا ہے۔ لیکن آگر وہ توبہ کر لیتا ہے تو وہ نشان مٹ جاتا ہے ورنہ جوں جوں بندہ گناہ کرتا جائے گا۔ وہ نقطہ پھر اور پھیلتا جائے گا حتی کہ اُس کا دل بالکل سیاہ پڑ جاتا ہے اور اس کو نیکی بدی کی تمیز ہی نہیں رہ جاتی۔"[20]

تاہم بہت سے افراد ایسے ہیں جو اپنے آپ پر غور کرتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کو پہچاننے کی کوشش نہیں کرتے فرمان الٰہی ہے۔

"هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا"[21]

"یقیناہر انسان پر زمانے سے ایک ایسا وقت گزر چکا ہے جب کوئی قابل ذکر شے نہ تھا "

چنانچہ جب آدمی اللہ کی کمال قدرت سے اپنے نفس کو پہچانے گا تو وہ معرفت حق کی کنجی ثابت ہو گی۔

معرفت الٰہی کا حصول اور راستے :

اس ضمن میں سب سے اہم بات ہے کہ روح اپنے اللہ سے ملاقات کے سفر پر نکلنے کا ارادہ کرے اور خواہش کرے توفیق الٰہی طلب کرے۔ تیاری کر کے اور زاد راہ ذکر الٰہی کا ساتھ لے لے۔ حسد، لالچ، تکبر کینہ تمام نفسیاتی بیماریوں سے نجات حاصل کر کے خود کو طاقتور بنائے۔ دنیاوی محبتوں کو ترجیح نہ دے۔ سورۃ توبہ میں ہے کہ آٹھ محبتوں کو ترازو کے ایک پلڑے اور تین محبتوں کو ترازو کے دوسرے پلڑے میں رکھے اور معیار کی کسوٹی پر پرکھے کون سا پلڑا بھاری ہے؟ محبت

الٰہی کے لباس سے خود کو آراستہ کرے سفر معرفت کا ہر کام اسے دنیا کی لذتوں سے بے نیاز کر دے گا۔

محبت الٰہی کے نتائج و آثار:

لہٰذا اللہ رب العالمین مشکلات کے ساتھ آسانی پیدا کرنے والے اسباب میں ایک سبب جذبہ محبت ہے تاکہ مشکلات کے احساس کو کم کرتا رہے۔ مثلاً اللہ سے محبت، اللہ کے رسول ﷺ کی محبت، اللہ کے دین سے محبت جتنی یہ محبت شدید ہوں گی خدا کا مطیع و فرمان بردار بننے کا دشوار کام آسان ہو تا چلا جائے گا اور جتنی یہ محبت سطحی قسم کی ہوں گی انسان کی مجرمانہ غفلت مسلسل اور متواتر ہوتی جائے گی۔ جب الٰہی کا جذبہ تمام تکالیف کی شدت اور اذیت کو کم کر دیتا ہے۔ اللہ کی محبت انسان محبتوں کی نفی نہیں کرتی بلکہ انہیں زیادہ پائیدار بناتی ہے۔

''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک بدو نے رسول خدا ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ قیامت کب ہوگی رسول خدا ﷺ نے فرمایا تو نے قیامت کے لیے کیا تیاری کی ہے ؟ اُس نے عرض کیا کہ (یہ میری تیاری ہے) خدا اور رسول ﷺ کی محبت حضور ﷺ نے فرمایا کہ تو قیامت میں انہیں کے ساتھ رہے گا جن سے تمہیں محبت ہے''۔ [22]

''حَدَّثَنِي مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ قَالَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ الْمُتَحَابُّونَ فِي جَلَالِي لَهُمْ مَنَابِرُ مِنْ نُورٍ يَغْبِطُهُمْ النَّبِيُّونَ وَالشُّهَدَاءُ''[23]

''حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سنا آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے لیے آپس میں محبت کرنے والوں کے لیے قیامت کے دن نور کے ممبر ہونگے جن پر انبیاء اور شہداء بھی رشک کریں گے''۔

''عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ □قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ:"إِنَّ اللهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى يَقُولُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ: أَيْنَ الْمُتَحَابُّونَ بجَلَالِي؟ الْيَوْمَ أُظِلُّهُمْ فِي ظِلِّي يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلِّي''24

''حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا۔ کہ کہاں ہیں وہ لوگ جو میری بزرگی اور عظمت کے خیال سے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں آج کے دن جب کہ میرے سائے کے سوا کوئی سایہ نہیں، میں انہیں اپنے سائے میں جگہ دوں گا''۔

ابو ادریس خولانیؒ [25] بیان کرتے ہیں کہ میں دمشق کی مسجد میں داخل ہوا تو میری نگاہ ایک شخص پر میری جس کے دانت خوبصورت چمکدار تھے۔ لوگ اس کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ جب اُن سے کسی چیز کے بارے میں اختلاف ہو گا تو اس کی طرف رجوع کرتے اور اس کی رائے پر عمل کرتے میں نے اس کے متعلق دریافت کیا تو مجھے بتایا گیا کہ وہ حضرت معاذ بن جبل [26] ہیں جب اگلا دن ہوا کو تو میں سویرے مسجد جا پہنچا۔ میں نے دیکھا وہ مجھ سے بھی پہلے آ چکے تھے اور نماز رہے تھے میں انتظار میں بیٹھ گیا، یہاں تک کہ انہوں نے اپنی نماز ختم لی۔ پھر میں ان کے سامنے ان کے پاس آیا اور انہیں سلام کیا اور کہا : ''خدا کی قسم میں آپ سے محبت رکھتا ہوں'' انہوں نے پھر فرمایا: ''ہاں! خدا کے لیے'' انہوں نے پھر فرمایا: ''کیا خدا کے لیے'' میں نے عرض کیا ہاں! خدا کے لیے انہوں نے میری چادر کا کنارہ پکڑا اور مجھے اپنی طرف کھینچا۔ پھر فرمایا: ''خوشخبری حاصل کرو بے شک میں نے رسول خدا ﷺ کو فرماتے سنا ہے''۔ کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں : ''جو لوگ میرے لیے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں اور میرے لیے ایک دوسرے کے پاس بیٹھتے ہیں۔ میرے لیے ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں اور میرے لیے مال خرچ کرتے ہیں ان سے محبت کرنا میرے لیے واجب ہے''۔ [27]

''یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْکُمْ عَنْ دِیْنِہٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰہُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗ۔۔۔۔۔۔۔۔الخ'' [28]

''اے ایمان والو! تم میں سے جو ئی اپنے دین سے پھر جائے تو بس عنقریب اللہ تعالیٰ ایسی قوم پیدا کریں گے جس سے وہ محبت کرے گا اور وہ اللہ سے محبت کریں گے''۔

نیز فرمایا :

''وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ اَنْدَادًا یُّحِبُّوْنَھُمْ کَحُبِّ اللّٰہِ ط وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔الخ'' [29]

''ان لوگوں میں سے بعض ایسے ہیں جو اللہ کے علاوہ دوسروں کو اس کا شریک بناتے ہوئے ان سے اس طرح محبت کرتے ہیں جیسے اللہ سے کرنی چاہیے اور جو لوگ ایمان لائے وہ اللہ کے ساتھ محبت میں بڑے سخت ہیں''۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

''اللہ تعالیٰ جب اپنے کسی بندے کو دوست بنا لیتے ہیں تو جبرائیل فرماتے ہیں: اے جبرائیل میں فلاں بندے سے محبت کرتا ہوں۔ تو اس کو دوست رکھ۔ پس جبرائیل بھی اس سے دوستی کرنے لگتے ہیں پھر جبرائیل آسمان والوں سے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں شخص سے محبت کرتے ہیں سو آسمان والے بھی اُسے دوست بنا لیتے ہیں پھر زمین میں اُس کے لیے قبولیت رکھ دی جاتی ہے۔ چنانچہ زمین والے بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ اور بعض روایات میں ہے کہ زمین والے بھی آسمان والوں کی طرح محبت کرنے لگتے ہیں''۔ [30]

خشیت الٰہی:

اطاعت و فرمانبرداری دو وجوہات سے کی جاتی ہے محبت اور خوف۔ اللہ تعالیٰ کی پوری خوشنودی اطاعت اور فرمانبرداری کے لیے محبت اور خوف دونوں جذبوں سے پورا پورا کام لیا جائے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی خشیت الٰہی سے بھرپور مثالیں سامنے ہیں کہ جب وہ قرآن مجید کی تلاوت کرتے تو خشیت کے موقع پور بے اختیار آنسو بہنے لگنے۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ جب قرآن کی یہ آیت پڑھتے۔

''کیا ان لوگوں کیلئے جو ایمان لائے ابھی وہ وقت نہیں کہ خدا کے ذکر پر اُنکے دل پگھلیں''[31]

جن لوگوں نے قرآن مجید اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے پہلے سنا اُن کے لیے قرآن مجید آیت چلتی پھرتی حقیقت تھی۔ اُن کی آنکھوں سے آنسو بہتے تھے۔ اُن کے جسم کانپنے لگتے ہے۔ جو بھیڑ بکریاں چراتے تھے، اونٹوں کی گلہ بانی کرتے تھے۔ معمولی کاروبار کرتے تھے انسانیت کے راہ نما بن گئے۔ آج ہمارے پاس قرآن ہے۔ تفاسیر کے ذخائر موجود ہیں لیکن آنکھیں خشک رہتی ہیں دلوں پر اثر نہیں ہوتا۔ جسم کو پالنے کے ساتھ ساتھ روح کی پرورش ضروری ہے۔ روح کو لاغر نہیں چھوڑنا۔ کتنا بڑا المیہ اور بدقسمتی ہو گی کہ ہم قرآن کی طرف آئیں اور خالی ہاتھ لوٹ جائیں

ہماری روح کے مرتعش نہ ہوں اور نہ بھی دل میں کوئی لہر اُٹھے روح کی گہرائیوں کو منور نہ کر سکیں اور جذبات کی حرارت میں پگھل نہ سکیں۔ قلبی اور داخلی کیفیات اُس وقت موثر ہوں گے۔ جب ہم شعور کی حالتوں کی نشوونما کریں گے۔

"اللَّـهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُودُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِينُ جُلُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّـهِ ۚ۔۔۔الخ"[32]

"اللہ نے بہترین کلام نازل کیا جو ایک کتاب ہے باہم ملتی جلتی، بار بار دہرائی جانے والی جس سے اُن لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں پھر اُن کی جلدیں اور ان کے دل اللہ کی یاد کی طرف نرم ہو کر مائل ہو جاتے ہیں"۔

سورہ مریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"إِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُ الرَّحْمَـٰنِ خَرُّوا سُجَّدًا وَبُكِيًّا" [33]

"اُن کا حال یہ تھا کہ جب رحمن کی آیات اُن کو سنائی جاتی ہیں تو روتے ہوئے سجدے میں گر جاتے ہیں"۔

قلب اور بدن کے تمام افعال قرآن کو جذب کرنے میں مددگار ثابت ہوں۔ جہنم کی آیات پر خوف و استغفار کی کیفیت پیدا ہو۔ ہر آیت ہمارے اندر ایک چنگاری روشن کر دے۔ تزکیہ نفس کے ساتھ اپنے گناہوں کا اعتراف، محاسبہ اور معافی کے جذبات پیدا ہوں۔

تمام انبیا اللہ تعالیٰ کے ہدایت یافتہ بندے تھے اور اللہ کے چنے ہوئے محبوب تھے۔ اللہ کی آیات سُن کر سر بسجود ہوتے تھے اور رقت قلبی کے باعث اُن کے اشک رواں ہوتے۔ عبادات و تلاوت میں گریہ طاری ہونا رقت قلبی کی دلیل ہے جو عند اللہ بہت پسندیدہ شئے ہے۔[34]

"کلام الٰہی کی تاثیر اور خدوخال یہ کہ اس بے نظیر کلام کا اثر یہ ہوتا ہے کہ اللہ سے ڈرنے والوں کا ظاہر اور باطن اللہ کے آگے جھک جاتا ہے۔ اور یاد الٰہی کا انکے جسم و روح دونوں پر ہو جاتا ہے"۔[35]

شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں:

"من جملہ احوال قلب کے ایک غلبہ ہے حب مومن کے دل میں ایمان کا نور پھیل جاتا ہے اور اس میں جوش سا پیدا ہوتا ہے"۔[36]

شاہ صاحب مزید رقم طراز ہیں : ”من جملہ ان کے غلبہ خوف ہے۔ جس کا نتیجہ رونے اور کپکپی ہونے کی صورت میں ظہور پذیر ہوتا ہے“۔[37]

حدیث مبارکہ ہے :

” عَنْ مُطَرِّفٍ عَنْ أَبِيهِ (عبد الله ابن الشخير) قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺيُصَلِّي وَفِي صَدْرِهِ أَزِيزٌ كَأَزِيزِ الرَّحَى مِنْ الْبُكَاءِ ﷺ“[38]

”حضرت مطرف کے والد (عبد اللہ بن الشخیر) سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس حالت میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے کہ رونے کی بنا پر آپ ﷺ سینہ سے ایسی آواز نکل رہی تھی جیسے چکی چلنے کی آواز ہوتی ہے۔“۔

ایک دوسری حدیث میں ہے۔

” عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَلِجُ النَّارَ رَجُلٌ بَكَى مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ حَتَّى يَعُودَ اللَّبَنُ فِي الضَّرْعِ“[39]

”حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص خوف اللہ کی وجہ سے رویا وہ اس وقت تک دوزخ میں نہیں جائے گا یہاں تک کہ دودھ پستان میں واپس ہو جائے“۔

ابو بکر صدیق نہایت رقیق القلب تھے جب وہ قرآن کی تلاوت کرتے تو ان کی آیت کریم سے اس متاثر ہوئے تھے کہ اپنی آنکھوں پر اُن کا قابو نہیں رہتا تھا۔

جبیر بن معطمؓ[40] کہتے ہیں :

”میں نے آنحضرت ﷺ کو یہ آیت پڑھتے سنا۔ ام خلقو من غیر شی او ھم الخلقون کیا اُن کو کسی نے بھی پیدا نہیں کیا یا وہ خود اپنے خالق آپ ہیں ؟ “[41]

اس آیت کو سن کر میرا دل اُڑنے لگا۔

”وَأَمّا مَنْ خَافَ ------------۔الخ“[42]

”جو شخص اللہ کے حضور کھڑا ہونے سے ڈرتا ہے اس لئے وہ اپنے نفس کو اس کی خواہشات سے روکتا ہے۔ اس کا ٹھکانہ جنت ہی تو ہے“۔

الغرض کلام پاک میں اللہ تعالیٰ نے جگہ جگہ انسانوں کو اپنا خوف یاد دلایا ہے۔

سورہ آل عمران میں ارشاد ہوتا ہے۔

''اور اللہ تم کو اپنی ذات سے ڈرتا ہے اور اللہ بندوں پر شفقت فرمانے والا ہے''۔ [43]

سورہ البقرہ میں فرمایا ہے :

''اور اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ تم اسی کی طرف اکٹھے کئے جاؤ گے''۔ [44]

آپ ﷺ کے مواعظ اور نصائح میں بھی بار بار خشیت الٰہی کا درس ملتا ہے۔

''حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس نے خوف کیا وہ اول رات چلا اور جو اول رات چلا وہ منزل پر پہنچ گیا۔ آگاہ رہو کہ اللہ کا ساز و سامان گراں قیمت ہے آگاہ رہو کہ اللہ کا ساز و سامان جنت ہے''۔ [45]

''حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالٰی فرمائے گا۔ کہ جس شخص نے کسی دن مجھے یاد کیا یا کسی جگہ مجھ سے ڈرا اسے دوزخ سے نکال لو''۔ [46]

''حضرت ابو امامہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا دو قطروں اور دو نشانوں سے زیادہ محبوب اللہ تعالٰی کو کوئی شئے نہیں (ایک وہ) آنسو کا قطرہ جو خدا کے خوف کے باعث ٹپکے۔ اور دوسرا وہ خون کا قطرہ جو اللہ کی راہ میں بہایا جائے''۔ [47]

اللہ تعالٰی نے اعمال صالحہ رکھنے والوں کے لیے اُمید اور رحمت کو ضروری گردانتا ہے۔ اسی طرح اُن کے لیے خوف اور ڈر بھی لازمی قرار دیا ہے۔

امام احمدؒ سے مروی ہے کہ حضرت صدیقؓ اکثر اپنی زبان پکڑ کر فرمایا کرتے تھے :

''هذا الذی او ردنی الموارد ہ''[48]

''اس نے مجھے ہلاکت کے مواقع میں ڈالا ہے''

حضرت عمر فاروقؓ معمولات شب میں روزانہ قرآن مجید کی تلاوت فرماتے آیات وعید پر اس قدر روتے کہ ہچکی بندھ جاتی اور دنوں گھر میں پڑے رہتے آنسوؤں کی وجہ سے رخساروں پر دو سیاہ خط پڑ گئے تھے۔

حضرت عثمانؓ ابن غفان کسی قبر پر پہنچتے تو اتنا روتے کہ آپ کی ریش مبارک تر ہو جاتی۔ فرماتے کہ اگر مجھے جنت اور دوزخ کے مابین اختیار کا حکم دیا جاتا تو اس سے قبل کہ میں اپنے متعلق ہی سمجھ سکوں کہ کس صورت کو میں زیادہ برداشت کر سکتا ہوں، راکھ ہو جاتا۔ زیادہ پسند کروں گا۔

حضرت علیؓ بھی ہمہ وقت روتے رہتے تاکہ خوف الٰہی سے نڈھال ہو جاتے۔ دو باتوں سے خصوصاً ان کا خوف حد سے زیادہ متجاوز ہو جاتا تھا۔

۱۔ طول امل، یعنی دنیوی زندگی کی بڑی بڑی امیدیں

۲۔ خواہشات کی پیروی

"فرمایا کہ طول امل آخرت سے غافل کر دیتا ہے۔ خواہشات کی پیروی حق سے روک دیتی ہے" [49]

اس بارے میں اس قدر آثار موجود ہیں کہ تمام کو پیش کرنا دشوار ہے۔ صحیح البخاری میں ایک مستقل باب ہے۔

رضائے الٰہی :

حُب الٰہی کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ جو بھی نیکی کی جائے اللہ تعالیٰ کو خوشنودی کو مد نظر رکھ کر کی جائے۔ ریاکاری اور شہرت حاصل کرنے والا عمل خسارے کا باعث ہے۔ بڑے بڑے اعمال احادیث مبارکہ کے مطابق اس لیے کئے جائیں کہ لوگ تعریف کریں تو یہ اللہ کے ہاں بالکل بے وزن ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

"اور لوگوں میں بعض ایسے ہی ہیں جو خدا کی خوشنودی کے لیے اپنی جان بھی دے دیتے ہیں اور اللہ بندوں پر بڑی شفقت رکھتا ہے۔" [50]

اسی طرح سورۃ الدھر میں اللہ فرماتے ہیں:

"ہم تم کو صرف خدا کی رضا حاصل کرنے کے لیے کھلاتے ہیں ہم کو نہ تم سے کچھ بدلہ درکار ہے اور نہ شکر گزاری۔" [51]

سورہ الانعام میں رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا گیا ہے۔

"(اے نبی ﷺ) کہہ دیجیے میری نماز، اور میری قربان اور میرا جینا میرا مرناسب اللہ کے لیے ہے خدا پروردگار ہے تمام جہانوں کا" [52]

عبدالرحمن ابن جوزیؒ فرماتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر راضی رہنا مقربین کے اعلیٰ مقامات میں سے ہے۔ رضا کی فضیلت میں وہ بھی ہے جو حدیث میں آیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا، جب اللہ کسی بندے سے بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اسے اپنی تقسیم پر راضی کر دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی:

''اے داؤد مجھے سب سے زیادہ خوش کرنے والا اور تیرے بوجھ کو اتارنے والا کوئی عمل ایسا نہیں جیسا کہ میری تقدیر پر خوش ہونا ہے۔''

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے عدی بن حاتمؓ کو غمگین دیکھا تو فرمایا:

''اے عدی کیا بات ہے میں تجھے غمزدہ اور پریشان دیکھ رہا ہوں؟''تو انہوں نے کہا''میں کیوں نہ پریشان ہوں میرے دو بیٹے قتل ہو گئے اور میری آنکھ پھوٹ گئی ہے۔''تو آپ نے فرمایا: ''اے عدی! جو اللہ کی تقدیر پر راضی ہوا وہ اس پر جاری ہو گی اور اُسے اجر ملے گا۔ اور جو اللہ کی تقدیر پر راضی نہ ہوا اسی پر بھی تقدیر جاری ہو گی اور اُس کے عمل ضائع ہو جائیں گے''۔ [53]

حدیث نبوی ﷺ:

'' إِنَّ اللهَ لَا يَنْظُرُ إِلَى صُوَرِكُمْ وَأَمْوَالِكُمْ، وَلَكِنْ يَنْظُرُ إِلَى قُلُوبِكُمْ وَأَعْمَالِكُمْ ''[54]

''بے شک اللہ تمہاری صورتوں اور مالوں کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے''۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

'' من صَلَّى يُرَائِي فَقَدْ أَشْرَكَ وَمَنْ صَامَ يُرَائِي فَقَدْ أَشْرَكَ وَمَنْ تَصَدَّقَ يُرَائِي فَقَدْ أَشْرَكَ»''[55]

''جس نے دکھاوے کے لیے نماز پڑھی اس کے شرک کیا اور جس نے دکھاوے کیلئے روزہ رکھا اس نے شرک کیا اور جس نے ریاکاری کے لیے صدقہ و خیرات کیا اس نے بھی شرک کیا۔''

تاہم اسی بہت سی احادیث موجود ہیں جن میں واضح ہے کہ جو نیکیاں ایمان کے محرک سے خالی محض دکھاوے کی ہوں گی وہ قابل قبول نہ ہوں گی رسول خدا کی تعلیمات کے زیر اثر صحابہ کرامؓ کا یہ حال ہو گیا تھا کہ ہر دم رضائے الٰہی کے حصول کے لیے کوشش کرتے رہتے۔

چنانچہ سیر اعلام النبلا میں امام احمد بن حرب کی نصیحت قابل غور ہے۔ فرمایا:

"میں نے پچاس سال تک اللہ کی عبادت کی، لیکن جب تک تین چیزوں کو یہ چھوڑا اس وقت تک عبادت میں مٹھاس نہ پائی"۔ [56]

۱۔ میں نے لوگوں کی رضا تلاش کرنا چھوڑ دی، جس کے نتیجے میں حق آگوئی حاصل ہوئی۔

۲۔ فاسق وفاجر لوگوں کی صحبت ترک کر دی تو صالحین کی محبت ملی۔

۳۔ دنیا کی مٹھاس کو ترک کیا تو آخرت کی مٹھاس پائی۔

ذکر الٰہی :

محبت کے تقاضوں میں ایک لازمی تقاضا دل میں محبوب کی یاد قائم ہو اور اس کا ذکر بار بار زبان پر آئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس بات کو بے حد پسند فرمایا ہے کہ اس کی مخلوق اس کا ذکر کرتی رہے۔ قرآن اور سنت کی بے شمار دلائل سے ثابت ہے کہ ذکر الٰہی کی افادیت دنیا و آخرت میں کیا ہے اور اللہ کے ذکر سے روگردانی کرنے والے کے لیے کیا وعید ہے۔

ابو موسیٰؓ کے بیان کردہ روایت کے مطابق رسول ﷺ نے فرمایا کہ:

"جس گھر میں خدا کا ذکر کیا جاتا ہے اس کی مثال اور جس گھر میں خدا کا ذکر نہیں کیا جاتا اس کی مثال زندہ اور مردہ کی ہے"۔ [57]

تمام تسبیحات، درود شریف ابراہیمی استغفار کے فضائل اور انعامات احادیث مبارکہ سے ثابت ہیں۔ خوش قسمت ہے وہ زبان جو ذکر الٰہی سے ہمہ وقت تر رہتی ہے۔ وہ وقت ضائع سمجھا جاتا ہے جو خدا کی یاد کے بغیر گزرے تسبیح کے جتنے بھی اسماء ہیں یہ وہ حوالے ہیں۔ جن سے ہم اللہ کی پہچان کرتے ہیں۔ جب بھی اللہ تعالی کا ذکر شعور کے ساتھ لیا جائے اور بات پانچ حواس سے آگے جاتی ہے تو خدا کا احساس قریب تر آنا شروع ہو جاتا ہے۔ یہ ذہانت علم اور دانش ہے جس سے انسان اللہ کی قربت کو محسوس کرتا ہے۔ عقل و معرفت خدا کی پہچان کا ذریعہ ہے۔

ایک باندی کی اللہ سے محبت کا عجیب واقعہ: محمد حسین بغدادیؒ بازار گئے۔ ایک باندی خرید کر لائے وہ کالی کلوٹی تھی، تو وہ مصلے پر رو رہی تھی۔ اور کہہ رہی تھی یااللہ جو تو مجھ سے محبت کرتا ہے ، میں اسی کے واسطے تجھ سے سوال کرتی ہوں تواُن کی آنکھ کھلی تو کہنے لگے۔ "اے لڑکی کیا کہہ رہی ہے؟ یوں کہہ یااللہ میں جو تجھ سے محبت کرتی ہوں اس کے واسطے سے میں تم سے سوال کرتی ہوں تو وہ کہنے لگی۔ اے بغدادی، مجھ سے پیار ہے تو مجھے مصلے پر بٹھایا ہے تمہیں وہاں سلایا ہوا ہے۔ مجھ سے محبت ہے میں کھڑی ہوں" پھر کہنے لگی "ماشاء اللہ تیری اور میری محبت کا راز فاش ہو گیا" فاقبضنی الیک" بلالے جلدی اپنے پاس اور وہی ڈھلک کے گر گئی اور مر گئی۔ تو وہ کہنے لگے مجھے بڑا رنج ہوا"۔[58]

مناجات: حضرت رابعہ بصریؒ عشاء کی نماز کے بعد چھت پر چڑھ جاتیں اور اللہ کے حضور یوں ملتجی ہوتیں۔

"پروردگار! ستارے روشن ہو گئے لوگ سو گئے۔ بادشاہ ہوں نے دروازے بند کر لیں ہر حبیب اپنے حبیب سے محو خلوت ہے اور میں تیرے سامنے کھڑی ہوں"۔ فجر کے وقت اس طرح مناجات کرتیں۔ "اے خدا! رات گزر گئی دن آ گیا کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ تو نے میری نماز قبول کر لی یا رد کر دی تیری عزت کی قسم! میرا ابھی یہ ہی طریقہ رہے گا جب تک تو مجھے جواب نہ دے گا یا میری مدد نہ کرے گا قسم ہے تیری عزت کی! اگر تو مجھے دھتکار بھی دے گا تو بھی نہ ٹلوں گی کیونکہ میرے دل میں تیری محبت گھر کر گئی ہے"۔ کبھی آپ اللہ تعالیٰ سے یوں ملتجی ہوتیں۔ "اے اللہ میں اپنے قول و فعل سے تیری پناہ چاہتی ہوں اور ہر اُس چیز کے بارے میں جو مجھے تیرے سوا کسی اور میں مشغول کر دے اور ہر حائل ہو جانے والے سے جو میرے اور تیرے درمیان حائل ہو۔ اے میرے آقا! مقرب بندے خلوتوں میں تیرا قرب ڈھونڈتے ہیں سمندروں میں مچھلیاں تیری عظمت کے گیت گاتی ہیں اور تیرے مقدس جلال کی وجہ سے موجیں ایک دوسرے سے ٹکراتی ہیں"۔

اس کے علاوہ بھی دیگر مناجات مشہور ہیں۔ جو ان دلوں سے نکلیں جن میں اللہ تعالیٰ کی محبت گھر کر چکی تھی۔ جن میں حضرت علیؓ کی ، حضرت امام زین العابدینؒ، حضرت ذوالنون مصری کی مناجات قابل ذکر ہیں۔ اور سب سے اول درجہ محبان الٰہی کے سر تاج حضرت محمد ﷺ کی

مسنون دعائیں جو نالہ نیم شب بن کر باعث سکون ہوتی ہیں۔ الغرض یہ تمام راستے معرفت الٰہی تک پہنچاتے ہیں۔

علی بن عثمان ہجویریؒ فرماتے ہیں۔

معرفت الٰہی دل کی زندگی ہے۔ اور حق تعالیٰ سے اعراض اس کی موت اور ہر شخص کی قدر و قیمت معرفت حق کے ہی باعث ہے۔ معرفت الٰہی دنیا و آخرت کی تمام بھلائیوں کی بنیاد ہے"۔[59]

چنانچہ معلوم ہوا کہ معرفت حق تعالیٰ حاصل ہونے کے بعد وہ خلوص پیدا ہوتا ہے جہاں اُس کی عبادت صرف اپنے پروردگار کے قرب و رضا کی خاطر ہوئی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ لا محدود ہے اور اس کی ذات کے متعلق علم معرفت اور اس کا قرب بھی لا محدود ہے۔ اس کی مکمل معرفت ممکن بھی نہیں ہر مقام پہلے مقام سے کہیں زیادہ عزت کا حامل ہے۔ اور انسان اس کے حصول کی خاطر آگے بڑھتا رہتا ہے۔ اس کی عاجزی ہی اس کو آگے بڑھاتی رہتی ہے۔

لہٰذا طلب معرفت کی ابتدا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ طالب کے لیے اپنی راہیں کھول دیتا ہے۔ چنانچہ اس قرب کے بڑھنے سے معرفت میں بھی اضافہ ہوتا ہے لہٰذا اللہ پر ایمان لانے کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کے مظہر، انسان کامل حضور ﷺ پر ایمان لانا مومن ہونے کا معیار اور کسوٹی ہے۔ حدیث پاک ہے:

"تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن ہو نہیں سکتا جب تک میں اس کی جان مال، اولاد سے زیادہ عزیز نہیں ہوتا"۔[60]

معرفت حق تعالیٰ کی استعداد صلاحیت اور طلب ازل سے اللہ کے طالبوں میں موجود تھی اللہ نے اپنے لطف و کرم سے مزید بڑھا دیا۔

اور فرمایا۔ پہلے جب انسان یہ یقین حاصل کر لیتا ہے کہ فاعل حقیقی صرف اللہ کی ذات ہے۔ تو سب اس کے قبضہ قدرت میں ہے تو وہ اس کی گفتگو سے مانوس اور غیر کی باتوں سے متوحش اور بیزار ہو جاتا ہے۔

معرفت الٰہی کے معاشرتی اثرات:

فرد سے افراد اور افراد سے معاشرہ وجود میں آتا ہے۔ انسان اس کائنات کا خالق نہیں بلکہ اللہ کی مخلوق ہے اگر اس کو اپنا مقصد تخلیق معلوم ہو جائے اور اپنی فطرت کے اس تقاضے کو جان لے کہ وہ کسی لافانی ہستی کے آگے سرنگوں ہو کر اس کی عظمتوں پر اپنے عجز و نیاز کو نچھاور کر دے اور اس سے توفیق ورہنمائی حاصل کر تو اس مشکلات کے دور کا سب سے کامیاب علاج یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے تعلق مضبوط کرے۔ عبدیت کو جان لے کہ عبدیت کیا ہے؟ محبت کے ساتھ معبود سے جُڑنا اور خشیت اللہ یعنی اس کا خوف یہ ہی معرفت الٰہی ہے۔ مگر اعلان کرنا ہو گا۔" لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ "ہم نے اپنی پوری زندگی اللہ کو دے دی۔ اس نے اپنے بندے ہونے کا ہمیں شرف بخشا۔ ھم صبغۃ اللّٰہ ہوتے ہیں۔ اسلمو یعنی فرمانبردار ہوتے ہیں۔ اپنا آپ اللہ کے سپرد کرتے ہیں۔ ہمیں معاشرے نے مجبور تو نہیں کیا؟

ہم کسی اور مخلوق کی غلامی تو نہیں کر رہے؟ کلمہ کو زندگی کے ساتھ ساتھ دیکھتے جائیں۔ ہم سب کو اللہ تبارک تعالیٰ نے بہت سے رشتوں میں جوڑا ہے۔ مضبوط رشتہ جو کبھی کمزور نہیں پڑ سکتا "لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ "کا رشتہ کلمہ طیبہ پڑھ لینا اقرار معائدہ ہے۔ اس کے اثرات ہمیں نظام دے رہے ہیں۔ صحت مند معاشرہ کی پرورش تب ہو گی کہ ہم یکسوئی کریں دوئی نہ کریں۔ کلمہ طیبہ کے تقاضے کیا ہیں؟

یہ کوئی زبانی جمع خرچ نہیں۔ زندگی گزارنے کے طریقے، عبادات، معاملات، اخلاقیات، طرز معاشرت، ادارات، سب اُسوہ حسنہؐ کے مطابق ہیں کہ نہیں؟ اپنی زندگیوں کو چیک کریں کہ ہمارے اندر نماز کے اثرات کیوں نہیں پیدا ہو رہے۔ نماز فحاشی اور بے حیائی سے بچاتی ہے تو واقعی یہ وہ نماز ہے؟ اگر معرفت الٰہی حاصل ہو گی تو واقعی مسجدوں میں دل اٹکے گا۔ تقویٰ حاصل ہو گا۔ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُو اتَّقُو اللہ سارے دین کا خلاصہ اس تقویٰ کے اندر آ جاتا ہے۔ تقویٰ کیسے حاصل ہو؟ اس کے بھی تو بڑے تقاضے ہیں۔ بڑی شرائط ہیں۔ باری تعالیٰ نے فرمادیا کہ "کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ" سچے لوگوں کے ساتھی بن جاؤ۔ یعنی سچے اور نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرو۔ تاکہ تقویٰ کی جھلک تمہارے اندر بھی پیدا ہو جائے۔ جب بندہ ذات حق کے ذکر کا طالب، اس کی پناہ کا

چاہنے والا بن جاتا ہے اس کی عطا کردہ نعمتوں کا شکر اور اس کی حمد و ثنا کرتا ہے۔ تو اس پر یہ حقیقت یہاں ہو جاتی ہے۔ کہ وَفِیٓ اَنْفُسِکُمْ اَفَلاَ تُبْصِرُوْنَ"[61]

یہ اثرات ہیں جو معاشرے کے ایک فرد کی تطہیر فکر کر کے پاکیزہ ماحول مہیا کرتے ہیں۔ بقول جنید بغدادیؒ

"بس معرفت الٰہی حاصل کرنے والا اللہ کے سوا ہر وجود کی نفی کرتا ہے۔ حتی کہ اپنی ذات کی بھی اور یوں کلمہ کے اقرار باللسان کے ساتھ تصدیق بالقلب سے اپنے ایمان کو درست اور مکمل کرلیتا ہے"۔[62]

تاہم یہ بات سامنے آتی ہے کہ صفائے قلب معرفت کے حصول کے لیے لازمی ہے اور معرفت کے نتیجہ میں یہ اثرات مرتب ہوتے ہیں کہ رضائے قلب میں اضافہ ہوتا ہے جذبہ شکر پیدا ہوتا ہے۔ شکر کے اصل معنی اعتراف نعمت اور احسان مندی کرتے ہیں روزہ رکھ کر صبر کرنا بڑے اجر کی بات ہے۔

قرآن و سنت کی روشنی میں معرفت الٰہی کے دیگر اثرات جو افراد میں پیدا ہوتے ہیں۔ مثلاً عفو درگزر، جہاد فی سبیل اللہ کا جذبہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا جذبہ احسان، عدل و انصاف، پاکیزگی طہارت معاہدات پورا کرنے کی عادت توبہ استغفار، ذکر الٰہی، اطاعت رسول ﷺ انسان اور خالق کے مابین دعا کا تعلق اس لیے جب یہ بنیادی اثرات پختہ ہو جاتے ہیں۔ تو معاشرے میں ایسے افراد بھی ملتے ہیں جو تجزیہ نفس کرتے ہیں۔ شرف انسانیت کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے۔ غیر مخلوط اسلامی معاشرہ کی جستجو کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے تحت اس طرف مائل کرتے ہیں۔ اور نیک حسن سلوک، قیام عدل، مساوات اور دیگر اخلاق فیصلہ امن عامہ، مشاورت باہمی کی تلقین کر کے اطمینان قلب کی دولت سے مالا مال ہوتے ہیں۔ اُن کی انکساری اور عاجزی سے دیگر افراد بھی متاثر ہوتے ہیں اور تہذیب نفس حاصل کرتے ہیں۔ جس سے معاشرے کے افراد میں وسعت نظری شجاعت اور بہادری کے اثرات پیدا ہو سکتے ہیں۔ ایسے لوگ اوقات کی قدر کرتے ہیں۔ اُن کو ذمہ داریوں کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ خدمت خلق اور آخرت کی کامیابی اُن کی ترجیحات میں ہو جاتی ہیں۔ وہ روحانیت پر اُمیدی کی فضا پیدا کرتے ہیں اور

قناعت پسندی ان کا شعار بن جاتا ہے ان کو احساس ہو جاتا ہے کہ اخوت، اتحاد، بھائی چارہ کا کیا فائدہ ہے۔ اور حسد، کینہ، بغض کے کیا نقصان ہیں۔

"ریاکاری اور خود پسندی و عجب کے بارے میں کیا کیا وعید بیان ہوئی ہیں۔ کیونکہ عارفین کو سوءِ خاتمہ کا خوف لاحق رہتا ہے"۔ [63]

اس لیے یقین کامل افضل ہے شک و شبہات سے اللہ تمام مومن و مومنات کو بچائے جو سوءِ خاتمہ کا موجب ہے۔ البتہ سادہ لوح بندے اس خطرے سے دور ہیں یعنی جو وہ لوگ جو اللہ رسالت اور معاد پر پختہ یقین رکھتے بحث و تکرار سے پرہیز کرتے ہیں۔

خلاصہ کلام:

الغرض عصر حاضر کے تقاضوں میں ابتدائی نکات، زیر مشاہدہ آتے ہیں وہ یہ ہیں کہ آج مسلمانوں میں یقین کی کمی ہے۔ اگر یقین پختہ ہوتا تو اللہ کی نافرمانیاں نہ کرتے۔ زندگی صحیح رُخ پر متعین ہوتی۔ بنیاد میں استحکام ہوتا تو کامیابیاں ہمارا مقدر ہوتیں اور قومی وقار مجروح نہ ہوتا۔ حقیقت سے ناآشنا رہنے کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہمیں نہیں معلوم کہ روز مرہ افعال و اعمال کا دار مدار تین چیزوں پر ہے۔ علم، مشاہدہ، یقین۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اکثریت کا تعلق اس کے نام کی واقفیت کی حد تک ہے سطحی علم کی بنیاد پر ہمیں یقین کی دولت حاصل نہیں۔ لا الہ الا اللہ دلوں میں گڑا ہوا نہیں ہے۔ اس لیے ہم اس کے سامنے سر تسلیم خم نہیں کر سکتے۔ اس کے احکام کو ترجیح اولین نہیں بناتے۔ انفسی و آفاقی انعامات پر غور و فکر نہیں کرتے۔ تاہم زہد اسی کا نام ہے کہ یہ دنیا ہمارے ارد گرد ہو مگر اس کی محبت ترجیحات میں نہ ہونے پائے۔ معاشرے کی اصلاح کا راستہ یہ بھی ہے کہ اپنی اپنی فکر کی جائے۔ اپنا محاسبہ، اپنے عیبوں پر نظر ثانی ہو۔ اگر ایسا ممکن ہو جائے تو اور مثبت سوچ پیدا ہو سکے تو رفتہ رفتہ سارا معاشرہ صحیح ہو سکتا ہے۔ معاشرے پر بھی مثبت اثرات بہت ہونا شروع ہو جائیں گے۔ یہ بھی دورِ حاضر کی مشکلات کا ابتدائی حل ہے کہ اپنے اندر اللہ کی محبت اور جوابدہی کا خوف پیدا ہو جائے۔ تو اپنی اصلاح بھی واجب سمجھیں گے اور دوسروں کو بھی ٹوکنا حکمت عملی کے ساتھ ضروری سمجھیں۔ اس طرح چراغ سے چراغ جلتا ہے۔ خود رول ماڈل نمونہ بنا ضروری ہے صرف دوسروں پر تنقید سے معاشرے میں فساد کا راستہ کھلتا ہے۔ زیادہ بگاڑ پیدا

ہوتا ہے۔ اللہ کی طرف رجوع کرنے سے دوسروں کے دل میں اللہ خود ہی خیر پیدا فرما دیں گے۔ شرط صرف یہ کہ اللہ کو راضی کرنا ہے۔ اس کی خوشنودی کا خیال کرنا ہے۔

حرف آخر اس سلسلے میں یہ ہے کہ جس شخص نے معرفت الٰہی حاصل نہیں کی جیسا کہ اس کا حق ہے اس کی عبادت اللہ کے خوف اور محبت سے عاری ہوگی نہ وہ تعظیم حاصل کر سکے گا جو اُس کی تعظیم کا حق ہے اور علم نافع ہی اللہ کا خوف اور حیثیت دل میں پیدا کرتا ہے۔ اللہ کی توفیق اور تائید سے تمام بھلائیاں شخصیت میں جمع ہو جاتی ہیں اور برائیاں دور رہتی ہیں۔ چنانچہ روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد کو حکم فرمایا کہ اے داؤد! علم نافع سیکھ لو اور انہوں نے عرض کیا الٰہی ! نفع دینے والا علم کون سا ہے ؟ فرمایا میری عظمت، بزرگی اور کبریائی کو پہچاننا اور ہر چیز پر میری قدرت کاملہ کا یقین رکھنا بس یہ ہی بات تمہیں میرے نزدیک کر دے گی۔ لہٰذا یہ بات ذہن نشین ہو کہ عبادت کی درستگی کے لیے علم معرفت ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہم حالات حاضرہ اور موجودہ خوف وہراس کی فضا سے بے بہرہ نہیں ہیں۔ آج یہ وائرس ہے تو کل کوئی اور وائرس ہو گا۔ جو گلیشیرز پگھل رہے ہیں، جن کی زندگی پندرہ ہزار سال پرانی ہے، جن کے جینیٹک کو آج کا سائنسدان جانتا بھی نہیں - آج کے مشکل حالات کا واحد مخرج اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہے۔ کسی انسان، ٹیکنالوجی اور ویکسین میں وہ طاقت نہیں جو انسانیت کو اس مشکل سے بچا سکے۔ رب العزت جس کے پاس تمام قدرت اور طاقت ہے ، اس کی محبت، خشیت، رضا اور پہچان یعنی معرفت الہیٰ ہی ہمیں مشکلات سے نکال سکتی ہے اور معاشرے میں ایک دوسرے کے لئے ادب اور احترام پیدا کر سکتی ہے۔

حوالہ جات وحواشی:

---

1. لوئیس معلوف، المنجد ص ۵۵۰

Loees Maloof, Al-munjad, P:550.

2. قرآن کا عربی اُردو لغت، ص ۳۸۶،۳۸۷

Quran ka Arbi Urdu Lua'at, P:386, 387.

3. یہ اشارہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے اس قول کی طرف ہے۔"العجز عن درک الاد ارک اد راک"۔"یعنی اللہ کو پہچاننے سے اپنے آپ کو عاجز جاننا ہی حقیقی پہچان ہے"۔

4. ابو حامد، غزالی امام، کیمیائے سعادت، ص:۱۵

Abu Hamid, Ghazali Imam, KĪmĪyā-yi Sa'ādat, P:15.

5. حم سجدہ: ۵۳

Ha'mm Sajdah: 53.

6. شاہ ولی اللہ حجتہ البالغہ، مترجم، مولانا، عبدالرحیم،، مطبع: زاہد پرنٹرز، تاریخ اشاعت، 2006ء، ص:۲۰۸

Shah wali-ullah, Hujja tullahulbaliga, Mutarajjam: Abdur Raheem, Matba: Zahid Printers, 2006.

7. الروم: ۳۰

Al-Room:30.

8. علی بن عثمان ہجویریؒ، کشف المحجوب، ص: ۴۰۲

Ali bin Usman Hijvari, Kashf-ul-mahboob, P:402.

9. علامہ اقبال، شاعر مشرق، ۹ نومبر ۱۸۷۷ء تا ۲۱ اپریل ۱۹۳۸ء، آزاد دائرۃ معارف

Alama Iqbal, Shair e Mashriq, 9 November 1877- 21 April 1938, Azad Daira ma'arif.

10. بنی اسرائیل: ۸۵

Bani Israel:85.

11. الاعراف: ۵۴

Al-araaf: 54.

12. صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب: فضل من استبر اللدنیہ، حدیث: ۵۲/ تفہیم البخاری، (عربی متن شرح) صحیح البخاری، جلد: اول: ص: ۷۳، رقم حدیث: ۵۰

Sahih Bukhari, Kitab-ul-emaan, Bab: Fazal min istibar, Hadith:52/ Tafheem-ul-Bukhari, Hadith:50.

13. فجر: ۲۷-۳۰

Fajar: 27-30.

14. یوسف: ۵۳

Yusuf: 53.

15. التوبہ: ۱۰۲

Al-Toba: 102.

16. الغزالی، ابو حامد محمد، حجۃ الاسلام، کیمیائے سعادت (مترجم) محمد سعید الرحمن علوی، لٹار سٹار پرنٹرز، ص: ۲۵

Al-Ghazali, Abu Hamid Muhammad, Hujjatul Islam, Kīmīyā-yi Sa'ādat, (Mutarajjam) Muhammad Saeed ur Rahman Alvi, Ltar star printers, P:25.

17. الذاریات: ۵۶

Al-Zariyaat: 56.

18. المطففین: ۱۴

Al-motaffeen: 14.

19. علامہ جلال الدین محلیؒ وعلامہ جلال الدین سیوطیؒ، تفسیر کمالین و تفسیر جلالین جلد: ۷ص: ۲۱۴

Alama Jalal-ul-deen Mahali wa Alama Jalal-ul-deen sayuti, Tafseer Kamalin wa Tafseer Jalalin,Vol:7, P:214.

20. سنن ترمذی، کتاب التفسیر، باب: ومن سورۃ ویل للمطففین، حدیث: ۳۳۳۴/ جامع ترمذی (مترجم) ابواب تفسیر القرآن، سورۃ المطففین کی تشریح، عن ابو ہریرہؓ، حدیث: ۱۲۶۰، حدیث حسن صحیح / سنن ابن ماجہ، (عربی اُردو)، باب: گناہوں کے بیان میں، حدیث: ۲۰۶۸، ص: ۵۷۱

Sonan Tirmizi, Kitab-ul-tafseer, Hadith: 3334. / Jame Tirmezi, Hadith: 1260. / Sonan Ibn Maja, Hadith: 2068.

21. الدھر: ۱

Al-dahar:1.

22. صحیح مسلم کتاب البر والصلۃ ولادب، باب المرء مع من اَحب، حدیث ۲٦۳۹

Sahih Muslim, Hadith: 2639.

23. سنن ترمذی، ابواب الزھد عن رسول اللہ ﷺ: باب ماجاء فی الحُبِّ فی اللہ، حدیث ۲۳۹۰

24. مالک بن انس بن مالک، موطا امام مالکؒ (مترجم) وحید الزمان علامہ، ناشر عثمان رشید، حذیفہ اکیڈمی، باب: ماجاء فی المتحابین فی اللہ، خدا کے واسطے دوستی رکھنے والوں کا بیان حدیث: ۱۵۳، مزید دیکھئے صحیح مسلم باب: احب لقاء اللہ، جلد: ششم، ص: ۱۸۵/ نیز صحیح مسلم: کتاب البر والصلۃ ولادب، باب فی فضل الحب فی اللہ، حدیث ۲۵٦٦۔

25. ابوادریس الخولانیؒ (متوفی 80ھ) اپنے زمانے کے مشہور محدث، فقیہ تھے۔ اور عبد الملک ابن مروان کے دور حکومت میں مصر دمشق کے قاضی رہ چکے تھے۔

26. معاذ بن جبل بن عمر بن الخنراحی" وقال رسول اللہ ﷺ اَعلم بالحلال والحرام معاذ بن جبلؓ باب الاجتہاد" ۱۸ سال کی عمر میں دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ ۱۸ھ میں وفات پائی۔ دیکھئے الاستیصاب جلد ۳ص ۴٦۰

27. موطا امام مالک (عربی)، کتاب الشعر، باب: ماجاء فی المتحابین فی اللہ، حدیث: ۱٦

28. المائدہ: ۵۴

29. البقرہ: ۱٦۵

30. موطا امام مالک، (مترجم)، حدیث: ۱۵۵، ص: ۵۱۹ یہ حدیث مشکواۃ (روہ المسلم) میں بھی دیکھئے / صحیح البخاری، (مترجم)، باب: المقۃ من اللہ، حدیث: ۵۹۷، جلد: سوم، ص: ۳۹۵/ صحیح البخاری (مترجم) کتاب التوحید، باب: کلام الرب مع جبرئیل، حدیث: ۲۳۳۳، جلد: سوم، ص: ۹۲۵۔

31. الحدید، ۱٦

32. الزمر: ۲۳

33. المریم: ۵۸

34. محمد اکرم اعوان، اسرار التنزیل، جلد ششم، ص: ۱۸

35. علامہ جلال بن محلی اور علامہ جلال الدین سیوطی تفسیر کمالین بشرح اُردو تفسیر جلالین، جلد: پنجم ص: ۴۲۹

36. حجۃ اللہ البالغہ۔ ص۔ ۳۳۸

37. ایضاً، ص: ۳۴۱

38. سنن ابی داؤد، کتاب الصلاہ، حدیث: ۸۴۲ عن عبد اللہ بن شخیرؓ / شائل ترمذی، باب: بکاء رسول اللہ ﷺ، اللہ کے خوف سے رسول للہ ﷺ کے رونے کا بیان، حدیث: ۳۲۱
39. جامع ترمذی، کتاب: ابواب الزھد، باب: ماجاء فی فضل البکاء من خشیۃ اللہ، خوف خدا سے رونے کی فضلیت جلد: دوم، ص: ۸۸
40. جبیر بن معطمؓ جبیر بن مطعم بن عدی بن نوفل بن عبد مناف القرشی، اَبو عدی: صحابی رسول تھے۔ علماء قریش میں سے تھے اور سادات میں سے، مدینہ میں فوت ہو چکے ہے۔(الاعلام للزرکلی ۲/ ۱۱۲)
41. تفہیم البخاری، (عربی متن شرح)، جلد دوم، ص:۴۳۰۴کتاب التفسیر، سورۃ الطور، حدیث: ۱۹۶۲/ سنن ابن ماجہ (عربی اُردو) کتاب الاقامت الصلۃ والسنہ فیھا القراءۃ فی صلواۃ المغرب، حدیث: ۸۲۸
42. **النزعت:** ۴۰-۴۱
43. آل عمران: ۳۰
44. البقرہ: ۲۰۳
45. جامع ترمذی، باب: من خاف الدلج، ابواب صفۃ القیامہ، حدیث: ۳۴۱، جلد: دوم: ص: ۱۳۸/ تخریج : امام نوویؒ کے مطابق یہ سند ابو فردہ یزید بن سنان التمیمی کی وجہ سے ضعیف ہے مستدرک حاکم میں اس کا ایک ضعیف شاہد بھی ہے۔
46. مشکاۃ المصابیح: کتاب الرقاق: باب البکاء والخوف، الفصل الثانی، حدیث: ۵۳۴۹
47. مشکاۃ المصابیح، کتاب الجہاد، الفصل الثانی، حدیث: ۳۸۳۷
48. مسند احمد کتاب الذھد، اثر نمبر ۵۶۰
49. محمد بن ابی بکر ابن قیم الجوزیہ، دوائے شافی اُردو ترجمہ الجواب الکافی لمن سال عن الدواء الشافی
50. البقرہ: ۲۰۷
51. الدھر: ۹
52. الانعام: ۱۶۲
53. عبدالرحمن ابن جوزی، تلخیص احمد بن محمد بن عبدالرحمن بن قدامہ، مقدسی، امام ترجمہ: محمد سلیمان کیلانی، منہاج القاصدین: ص: ۵۱۵
54. صحیح مسلم، کتاب: البر والصلہ ولادب، باب: تحریم الظلم المسلم وخذہ لھو، حدیث: ۲۵۶۴
55. مشکاۃ المصابیح، کتاب الرقاق، باب الریاء والسمعۃ، الفصل الثالث، حدیث: ۵۳۳۱

56. الذھبی، شمس الدین، أبو عبد اللہ محمد بن احمد بن عثمان (م: 748ھ)، سیر اعلام النبلاء، تحقیق: شعیب الناؤوط، مؤسسۃ الرسالۃ، ط/ 3، 1405ھ-1985م۔ ۱۱/ ۳۴

57. متفق علیہ، مشکوۃ مترجم: باب ذکر اللہ عز وجل وتقرب الیہ، جلد: اول، ص ۴۹۱، رقم حدیث: ۲۱۵۶